نظیر اکبر آبادی کی غزل کا اِستفہامیہ انداز

THE INTERROGATORY STYLE OF NAZEER AKBAR ABADI'S GHAZAL

*روبینہ شاہین

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر ,لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی،لاہور

ABSTRACT:

In the beginning of the article, basics of interrogation have been discussed. The word "Interrogation" has been originated from Arabic language meaning "questioning" different interrogative Pronouns, adverbs and question mark used for forming questions. Questions vary in their nature and this variation gives birth to different types of questions. Few of them includes of imperative questions, Affirmative questions and Negative questions. Nazir Akbar Abadi is a great name with reference to Urdu Ghazal. Major part of his writings is based on interrogation. There are countless topics covered under Nazir's Ghazal and there is interesting interrogatory poetry available in this regard. In this article, analysis of Nazir's Ghazal has been done by taking into consideration the factor of interrogation which has uplifted Nazir's status in Urdu poetry.

Keywords: *Interrogation, Interrogative pronouns, adverbs and question mark, imperative questions, Affirmative questions, Negative questions, Nazir's Ghazal.*

استفہام عربی زبان کا لفظ ہے (اِس۔ تف۔ ھٰام) استفہام باب استفعال میں سے ہے مراد کسی امر کا طلب کرنا۔ اس کا مادہ ف۔ہ۔م ہے۔ باب استفعال سے اس میں طلب کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔

دراصل طبیعت انسانی کو تجسّس اور کرید کی عادت سوالات پر اُکساتی ہے سوال کی کنجی سے انسان بھید کے تالے کامیابی سے کھول سکتا ہے۔ چوں کہ سوال کے لیے استفہام کا لفظ مستعمل ہے اس لیے اس سے مراد سوال کرنا اور سوال ظاہر کرنا ہیں۔ عربی کی مشہور لغت "المُنجِد" میں لکھا ہے:

''فَہِمَ (س) فَہْماً وَ فَہَماً و فَہَامَۃً وَ فِہَامِیَۃً وَ فَہَامِیَۃً
الامرَ او المعنیٰ کسی امر یا یا معنی کا جاننا۔ سمجھنا۔

فَہَّمَہٗ و اَفْہَمَہٗ ۔ الامرَ ۔ سمجھانا۔

تَفَہَّمَ ۔الکلام۔ کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے سمجھنا۔

تَفَاھَمَ ۔القومُ۔ بعض کا بعض سے سمجھنا۔

اِسْتَفْہَمَہٗ ۔الامرَ۔ بات دریافت کرنا۔ یا سمجھانے کی درخواست کرنا۔"(۱)

گویا تجسّس صرف سوال پر نہیں اُکساتا بل کہ اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے کھوج بھی لگاتا ہے۔ سوال کرنا، سمجھنا اور جواب طلب کرنا انسانی طبیعت کا خاصہ ہے اسی عمل سے انسان مشکلات کے تمام دروازے کھول سکتا ہے۔ جامع اللّغات میں لفظ" استفہام" کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

"استفہام (ع۔ مذکر) سمجھنے کی خواہش کرنا۔ ۲ دریافت کرنا۔ کسی بات کا پوچھنا (فہم۔ سمجھانا)۔"(۲)

استفہام کو انگریزی میں "Interrogation" کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں Query ، Inquiring اور Inquisitiveness جیسے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ جن سے ذہن جستجو، کھوج اور شک کی بنیاد پر اُٹھائے جانے والے سوالات کی طرف جاتا ہے۔ استفسار، باز پُرس اور تفتیش کے بعد انسان دریافت کرتا ہے تا کہ اس کا کھوج تکمیل کی طرف گامزن ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "قومی انگریزی اُردو ڈکشنری" میں استفہام کی وضاحت کے لیے اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"سوال کرنا؛ باز پُرس کرنا؛ پوچھنا؛ Interrogate,v.t سوال پوچھ کر جانچنا، بالخصوص سرکاری یا رسمی طور پر منضَبط انداز میں، اظہار لینا؛ استفسار کرنا؛ دریافت کرنا؛ تفتیش کرنا۔

باز پُرس؛ استفسار؛ استفہام۔ (ریڈیو۔ ریڈار Interrogation,n)

سوال کنندہ کے اشاری ارتعاشات؛ اشاروں کی ترسیل یا نشریہ؛ سوال جواب؛ تفتیش۔"(۳)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ذہانت کا معیار پوچھے گئے سوالات پر مبنی ہوتا ہے ارتقایافتہ انسان ابھی تک استفسارات سے کائنات کی تسخیر و کھوج کا سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور تسخیر کا یہ کارواں کون سی سرائے میں اترے گا کسی کو معلوم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان نے پہلے پہل سوالات کے اس سلسلے کا آغاز اشاروں سے کیا ہو گا گویا انسانی حرکات و سکنات کا سوال بیان کرنے میں گہرا دخل ہے اور پھر الفاظ نے اس انداز کو دل چسپی کا سامان مہیا کیا۔ سوالات کے اس سلسلے کے لیے جہاں مخصوص اشارے تھے وہاں کلمات بھی مخصوص ہیں۔ Oxford Advanced Learner's Dictionary کے مطابق اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> "Inter.roga.tive/ ..... 1 (formal) asking a question; in the form of a question an interrogative gesture/ remark/ sentence. 2 (grammar) used in questions interrogative pronouns/ determinors/ adverbs (= for exampls, who, which and why)" (4)

عربی، اُردو اور انگریزی لغات سے استفہام کے لغوی و اصطلاحی معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ استفسار اور استفہام کا لفظ جس جگہ استعمال ہو گا اُدھر کسی سوال کا جواب، کھوج یا امر کی دریافت مطلوب ہو گی اور اس کے لیے باز پُرس اور تفتیش بھی کی جاتی ہے اور اس عمل کی تکمیل کے لیے کلمات استفہام کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ایسے اسما بھی کہلاتے ہیں جو کسی بات کو دریافت کرنے یا کوئی معلومات حاصل کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ان حروف کا بر محل استعمال ہمارے مدّعا کو دل چسپ اور فصیح و بلیغ بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان کے درست استعمال کا تعیّن مولوی محمد احسن یوں کرتے ہیں:

> ''بعضے حرف استفہام کے لیے ہین یعنی سوال کے لیے کون واسطے ذی روح کے اور کیا واسطے غیر ذی روح کے اور آیا جو لفظ فارسی ہے وہ بھی واسطے استفہام کے مستعمل ہے اور کہان اور کدھر واسطے مکان کے اور کب واسطے وقت کے اور اَیْن اور کیون اور حرف کس اگر مرکب ہووے کسی اسم سے تو فائدہ استفہام کا دیگا جیسے کسطرح اور کس شخص کو وغیرہ اور کیسا اور کتنا بھی استفہام طرح اور مقدار کے واسطے آتے ہین۔''(۵)

''کیا'' کو ضمیر استفہامیہ بھی کہا جاتا ہے ''کیا'' نثر میں زیادہ تر آغاز میں آتا ہے۔ طلب تصور اور تصدیق کے علاوہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں صفت، مبالغہ آرائی، تعجب، تعریف و تجسس، طنز و حقارت، اثبات و نہی، تفسیر، تاسف و تحیّر، شک و شبہے اور نفی و یقین کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ے صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی، پیر ہن رنگیں
کناری ہے دھنک ہے، ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں (۶)

مصرع ثانی میں ''کیا کیا'' کے مکرّر استعمال نے نہ صرف شعر کو دل چسپ بنایا ہے بل کہ تعریف تحسین کا بھی حق ادا کیا ہے۔

''کون'' ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے واسطے آتا ہے۔ طلب تصور اور تصدیق کے لیے فاعلی حالت میں استعمال ہوتا ہے۔ کون مکرّر اور سا، سی، سے کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے:

ے یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے
وگرنہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے (۷)

مصرع ثانی میں ''کون'' سے مراد ذوی العقول ہے یعنی جب انسان مر جائے تو محبوب کو خط لکھنے کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

''کہاں'' اور ''کدھر'' تعین مکان کی طلب کے واسطے اور ''کدھر'' میں سمت کا مفہوم بھی آتا ہے۔ اضافی حالت میں کا، کی اور کے، کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے۔

کس، کن، کنھوں میں سے ''کس'' واحد ہے اور ''کن'' جمع، ''کنھوں نے'' فاعلی حالت میں جمع کے طور پر آتا ہے علاوہ ازیں کس نے، کس کو، کس

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے، کس سے، کس کا، کس کی اور "کن" اور کس مکرّر بھی آتے ہیں:

؎ یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کسکو قدم کی جا کا (۸)

مصرع ثانی میں "کہاں" دوبار اونچا اور نیچا کے ساتھ آیا ہے یعنی قدم زمین پر دیکھ کر نہ رکھا ساتھ ہی "کسکو" آیا ہے یعنی واحد ہے اور فاعل کی طرف اشارہ ہے جس کا دل راہ چلتے ہوئے کہیں ہے اور نظر کہیں۔

"کب" اور "کب تلک" تعین زمانہ کی طلب کے واسطے آتا ہے مثلاً کب کا، کب کی، کب کے وغیرہ علاوہ ازیں کب سے اور کب مکرّر بھی آتا ہے۔ بعض جگہ کب میں سمت کا تعین بھی پایا جاتا ہے:

؎ نظیرؔ دل کو بچاوے یارو کب اس صنم سے کہ جس میں ہووے
گھڑی مچلنا۔ گھڑی چہکنا۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ (۹)

مصرع اولیٰ میں "کب" کا استعمال زمانہ، وقت کا تعین کرتا ہے اور مصرع ثانی میں اس سے مراد مختلف گھڑیاں لی گئی ہیں جن کا تعلق جذبات سے ہے۔

کیوں (کس لیے۔ کس واسطے) کیوں کر، کیوں کہ (کس طرح) یہ طلب سبب کے واسطے آتے ہیں۔ کیوں، کو "کس واسطے" اور "کس لیے" کی جگہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کیوں کر کو کس طرح کے معنی میں۔

؎ اٹھاویں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیرؔ دل سے کہ جن کے ہوویں
جفا تلطف، عتاب شفقت، غضب توجّہ، ستم نوازش (۱۰)

مصرع اولیٰ میں "کیونکر" استعمال ہوا ہے یعنی کس طرح نظیرؔ محبوب کے ناز نہ اٹھائے وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے محبوب کی جفا میں تلطف، عتاب میں شفقت ہے توجّہ دیتا ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ اس کے ناز نہ اٹھائیں یعنی اٹھائیں گے۔

کتنا، کتنی، کتنے طلب عدد کے لیے اور اس تعیّن مقدار کے لیے جو غیر عددی ہو:

؎ ہے کتنے دنوں سے عشق نظیرؔ اس یار کا ہم کو جس کی ہیں
صبح اور برن شام اور پھبن آج اور دوش کل اور طرح (۱۱)

مصرع اولیٰ میں "کتنے دنوں" سے مراد دنوں کی تعداد ہے۔ لیکن یہ تعداد مقرر نہیں یعنی بہت دنوں سے۔

کیسا، کیسی، کیسے یہ کیفیت اور حال کی طلب مقصود کے لیے آتے ہیں اور مکرّر استعمال ہو کر کلام کو فصیح و بلیغ اور خوب صورت بناتے ہیں جس سے قاری کی دل چسپی بڑھتی ہے:

؎ رقیبوں نے جو دیکھا یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے: "ہائے؛ یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں؟" (۱۲)

مصرع ثانی میں "کیسا" استعمال ہوا ہے جس سے آندھی کے اندھیر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ حالت ہے جو رقیبوں پر طاری ہوتی ہے۔

"کے" صرف طلب عدد کے واسطے آتا ہے۔ "آیا" طلب تصوّر اور تصدیق دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور "کاہے کو" عموماً "کیوں" کے مضمون میں آتا ہے:

؎ جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری
وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا (۱۳)

مصرع ثانی میں "کاہے کو" کیوں کے مضمون میں استعمال ہوا ہے یعنی کیوں عشق میں خامی کرے گا؟ مندرجہ بالا کلمات استفہام کے علاوہ حروف حذف، تجاہل عارفانہ، استفہامیہ، لہجہ جس میں سوالیہ علامت بھی موجود نہ ہو سے استفہامیہ انداز پیش کیا جا سکتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لیکن بات ابھی بھی ادھوری ہے کیوں کہ سوال کی مختلف نوعیتیں اور درجے بھی ہیں جو استفہام کی اقسام کہلاتے ہیں۔ وہ درج ذیل تین ہیں:

(۱) استفہام استخباری

(۲) استفہام اقراری

(۳) استفہام انکاری

استفہام استخباری میں کسی بات یا شے کے متعلق خبر دریافت یا حاصل کی جاتی ہے اور معلومات تک رسائی کی جاتی ہے۔ استفہام اقراری میں کسی بات کا اقرار پایا جاتا ہے لیکن بظاہر انکار ہوتا ہے اور پیرایہ استفہام کا اختیار کیا جاتا ہے۔

استفہام انکاری سے مراد جس کا جواب مطلوب نہیں ہوتا کیوں کہ متکلم اور سامع دونوں جانتے ہیں کہ جواب کیا ہے اور کہنے والے کا مقصد کسی امر کی نفی یا انکار ہو۔ یعنی استفہام انکاری میں استعجابیہ لہجے میں بظاہر واضح انکار موجود ہوتا ہے نفی ہوتی ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب استفہام کی تینوں اقسام کی وضاحت یوں بیان کرتے ہیں:

> "استفہام کی تین قسمیں ہیں۔ اول استخباری جو صرف واسطے خبر پوچھنے کے ہو جیسے تمھارا کیا نام ہے دوسرے اقراری کہ سوال سے اقرار پایا جاتا ہو جیسے تم دانا نہیں ہو تو اور کون ہے اس مثال مین مخاطب کی دانائی کا اقرار پایا جاتا ہے کہ تم دانا ہو۔ سوم انکاری جس سے انکار پایا جاوے جیسے کیا دنیا میں ہمیشہ رہو گی یعنی نہیں رہو گی۔"(۱۴)

ہماری روز مرہ گفت گو میں استفہام کی اہمیت مسلّم ہے۔ استفہام صرف انسان سے تعلق نہیں رکھتا بل کہ اللہ نے بھی قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر استفہامیہ انداز اپنایا ہے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو نے بھی استفہامیہ لہجے کو اپنی تحریروں میں خاص جگہ دی۔ استفہامیہ لہجہ فارسی اور اُردو شاعری کی یکساں روایت ہے۔ اسی طرح تنقید میں یہ استفہامیہ انداز دل چسپی کا باعث بنتا ہے۔ اُردو کے کم و بیش تمام شعرا نے استفہامیہ کلام پیش کیا ہے جو معنویت اور دل چسپی سے بھرپور ہے اس انداز نے اُردو شاعری کے دامن کو وسیع کیا ہے جن شعرا نے اس ضمن میں شہرت حاصل کی اُن میں میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے نام سرفہرست ہیں۔

ان شعرا میں ایک اہم نام نظیر اکبر آبادی کا بھی ہے۔ نظیرؔ کا اصل نام ولی محمد اور نظیرؔ تخلص تھا۔ تاریخ ولادت کے سلسلے میں ناقدین اور تذکرہ نگاروں کی رائے میں تضاد پایا جاتا ہے۔ تاہم جس پر زیادہ اتفاق ہے اس کے مطابق نظیر اکبر آبادی ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئے جائے پیدائش دہلی ہے۔ زمانے کے لحاظ سے نظیرؔ، میرؔ، سوداؔ، جرأتؔ، انشاؔ اور مصحفیؔ کے ہم عصر ہیں۔ نظیرؔ نے کافی طویل عمر پائی آخری عمر میں ان پر فالج نے حملہ کر دیا پانچ سال اس مرض میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ بمطابق یکم اگست ۱۸۳۰ء میں وفات پائی۔

نظیر اپنی غزلوں میں الفاظ سے تصویریں کھینچتے ہیں۔ شاعری میں موضوعات کا ایک جہان آباد ہے۔ روز مرہ زندگی، فلسفہ، تصوف، دنیا کی بے ثباتی، دنیا دارالمکافات، مفلسی، وحدانیت، فلسفہ وحدت الوجود، فطرت، تہوار محبوب کا حسن و سراپا، محاکات نگاری، جزئیات نگاری، قناعت، سادگی، رجائیت اور ہندوستان کی تہذیب کو دل چسپ مکالمے کا انداز بخشا۔ مخمور اکبر آبادی محمود رضوی کہتے ہیں:

> "نظیر کا کلام ایک ذّخار سمندر ہے جس میں ہر قسم کے موتی بیحد و شمار دستیاب ہوتے ہیں اس لیے انتخاب کرنے والے کو بہت زیادہ گنجائش ہے۔"(۱۵)

اس ذّخار سمندر میں نظیر کا استفہامیہ کلام نکالنا دل چسپ امر ہے۔ سب سے پہلے استفہام استخباری میں غزل کے اشعار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے منفرد موضوعات سامنے لائے جائیں گے۔

(۱) استفہام استخباری

نظیر کی شاعری انسانیت کی آواز ہے۔ جو بیک وقت انسان کی فطری اور اصلی قدر سے آگاہ کرتی ہے وہ طبقۂ عوام کا شاعر ہونے کی وجہ سے سب کے

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھتا ہے۔ تنگ دستی کو ایسے بیان کیا کہ کسی کی انا مجروح نہ ہو۔ جاگیر دارانہ عہد میں ہونے کے باوجود حالات کی ستم ظریفی لکھتے ہوئے مایوس نہیں ہوئے بل کہ شوخی اور رجائیت سے اپنی انفرادیت کو منوایا اور زندگی کے مشاغل اور تہواروں سے خوب لطف اندوز ہوئے:

؎ اپنا وہ خوش لباس بسنتی دکھا، نظیرؔ
چمکایا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا (۱۶)

مصرع ثانی میں "کیا" کا مکرّر استعمال کلام میں دل چسپی اور روانی پیدا کرتا ہے اور ساتھ ہی نظیر دریافت کرتا ہے کہ بسنت کے تہوار پر اس کے محبوب نے کیا کیا چمکایا؟ مزید یہ کہ "کیا کیا" سے مراد کثرت بھی ہے۔

نظیر کی شخصیت میں شوخی اور ظرافت نے استفہامیہ اشعار میں قاری کے لیے دل چسپی کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ معاملہ بندی کے حوالے سے مثال ملاحظہ ہو:

؎ جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا (۱۷)

عاشق محبوب کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔ جیسے کوئی غلام آقا کے پیچھے چلتا ہے۔ تو مصرع ثانی میں "کیا" کا استعمال کرتے ہوئے دریافت کیا جا رہا ہے کہ اے عاشق کیا تو محبوب کی غلامی کرے گا؟

نظیر کی غزل میں محبوب کا سراپا اور حسن کا بیان کثرت سے ملتا ہے نظیر نے فنی اعتبار سے رنگ برنگے مناظر تخلیق کیے ہیں۔ اِن مضامین کو استفہامیہ رنگ دیتے ہوئے نظیرؔ نے الفاظ کو حسن کے بندھن سے باندھا ہے۔ مثلاً مہر طلعت، مہ جبیں، سیماب طبع، سرو قد، نگہ نشتر، مژگاں سنان، ابرو کمال، مشکِ تبت وغیرہ۔ بعض اوقات ایک ہی سانس میں ان گنت خوبیاں گنوا دیتے ہیں۔ مثلاً خوب صورت بدن، گہر دندان، غضب کا کاجل، رنگ چاندنی، مہرہ ماہتابی، شوخ ادائیں، مشکبار زلفیں وغیرہ۔

؎ جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا (۱۸)

مصرع ثانی میں استعجابیہ انداز نمایاں ہے اور محبوب دریافت کرتا ہے کہ عاشق کی سمجھ کیا تھی جو اس نے محبوب کو چاند لکھا؟ حرف "کیسی" میں طنز بھی نمایاں ہے یا کہہ لیجیے طنزیہ انداز کہ عاشق کی سمجھ کی کیفیت کیا ہے؟ کیوں کہ محبوب تو چاند سے زیادہ حسین ہے۔

استفہام کے حوالے سے جزئیات نگاری اور منظر نگاری بھی قابلِ داد ہے۔ نظیرؔ ہر لحاظ سے قطعی ہندوستانی تھے اور ہندوستانی باشندہ ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے ملکی چیزوں اور ثقافت کو افراط کے ساتھ بیان کیا جس سے ان کا ذخیرہ الفاظ ان کو ہندوستان کا شیکسپیئر بنا دیتا ہے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ نظیرؔ نے اُردو شاعری کی روایات کو بھی زندہ رکھا۔ اُردو شاعری کا ایک ہم موضوع شراب اور اس کے تلازمات ہیں جن کو نظیر نے بھی بیان کیا:

؎ جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا (۱۹)

مصرع ثانی میں "کیا" بطور ضمیر استفہامیہ استعمال ہوا ہے اور دریافت کیا جا رہا ہے کہ آپ نے جگر کو کباب لکھا تو کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا؟ یعنی جواب دیجیے کہ میں شرابی ہوں۔ مزید یہ کہ "کیا" میں تفسیر کا مفہوم شامل ہے یعنی شراب پینے والے سے کباب کا تعلق ظاہر کیا گیا ہے۔ روایتی کرداروں کے بیان میں بھی استفہامیہ انداز شوخی اور شرارت کے ساتھ ساتھ طنز سے بھرپور ہے۔ نظیرؔ نے، محبوب، عاشق، رقیب، ناصح، شیخ، رند اور کم و بیش تمام کرداروں پر استفہامیہ انداز پر مبنی اشعار کہے:

؎ قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کشا کہا؟ (۲۰)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قاصد کا کردار مصرع اولیٰ میں موجود ہے ساتھ ہی "کیا" کا استعمال کرتے ہوئے دریافت کیا جارہا ہے کہ محبوب نے عاشق کا خط دیکھ کر کیا کہا؟ شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں سوالیہ علامت کے استعمال نے تجسّس کو بڑھا دیا ہے۔ مزید یہ کہ جب بہت زیادہ چیزوں کا ذکر ہو تو بھی "کیا" کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے حرف عتاب، یا سخنِ، دل کشا۔

مرگ وحیات کے تصور کے بیان میں نظیر کا استفہامیہ انداز فلسفیانہ فکر لیے ہوئے ہے:

؎ کیا ہوئی تقصیر ہم سے تو بتا دے اے نظیرؔ
تا کہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مر جانے کو ہم (۲۱)

مصرع اولیٰ میں "کیا" بطور طلب تصوراور تعجّب استعمال ہوا ہے کہ ہم سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ کہ ہم سے ایسا کیا گناہ ہوا ہم مر گئے پتہ چل جائے تو ہم اس موت کو شادی مرگ سمجھ لیں۔

اس کائنات کا بڑا راز انسان بھی ہے جس کی فطرت بھید سے بھرپور ہے۔ دراصل انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو مقام اس کا ہے وہ اُسے پانا ہے اس کے لیے چاہے اسے کتنی ہی جدوجہد کرنی پڑے۔ شاعر انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔ نظیر نے انسان کے ذوق تجسّس کو بارہا خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بہ حیثیت انسان اُن کے اندر بھی یہ عادت پنہاں تھی جسے انھوں نے شاعری کی صورت میں واضح کیا۔ نظیر کے ذوق تجسّس اور حیرت واستعجاب کی عکاسی مخمور اکبر آبادی محمود رضوی کچھ یوں کرتے ہیں:

"جو رنگ ان میں خاص طور پر نمایاں تھا وہ مصور حقیقی ہی نے اُن میں بھرا تھا۔ عمر کا بہت ابتدائی حصہ تو حیرت واستعجاب میں گزرا لیکن جب مناسب وقت آیا تو حجاب کے پردے ان کی آنکھوں سے اُٹھنے لگے۔"
(۲۲)

یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعرانہ فکر میں جابجا ہمیں استفہامیہ اشعار ملتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جسے انھوں نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ ان کے کلام سے اُن کی شخصیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ پیشے کے حساب سے وہ معلم تھے، اُن کی روح کے استغنا اور ذہن کی وسعت اور قلب کی طمانیت نے اس پیشے میں ان کی شخصیت کو مزید نکھار دیا۔ فکر کے ساتھ ساتھ کلام میں انھوں نے فن کے جوہر بھی دکھائے۔ تشبیہ، استعارہ اور تلمیحات پر مبنی کلام خوب استعجابیہ رنگ لیے ہوئے ہے:

؎ غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو بھلا کہیئے تو کیا طور کی سوجھی (۲۳)

مصرع ثانی میں "کیا" سے استفہامیہ رنگ پیدا ہوا ہے کہ اگر موسیٰ خدا کا جلوہ برداشت نہیں سکتے تھے تو انھوں نے اس خواہش کا اظہار ہی کیوں کیا انھیں کیا بات سوجھی تھی؟

(۲)استفہام اقراری

نظیرؔ کے کلام کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا جائے تو تجسّس اور کھوج پر بے شمار استفہامیہ اشعار ملتے ہیں۔ استفہام اقراری کے حوالے سے دل چسپ اور غور وخوص کے بعد سوال وجواب کا انداز موجود ہے۔ خدا، کائنات کا کھوج، ازل وابد کے راز معلوم کرنا بھی خاص استفہامیہ انداز ہے۔ یہ فطری سوالات اُنھیں بہت بڑا فلسفی تو نہیں بناتے تاہم اُن کا متجسس اور خلاق ذہن کائنات اور انسانی زندگی کے مسائل کی گرہ کشائی میں لگا رہتا ہے۔

؎ ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یا رب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا (۲۴)

مصرع اولیٰ میں "کیوں" بطور طلب سبب استعمال ہوا ہے بظاہر کیوں نہ کہ کے انکار کی صورت پیدا کی ہے تاہم اقرار موجود ہے یعنی خدا کی قدرت کا اقرار کیا گیا ہے۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نظیرؔ کے اخلاق کا سب سے بڑا جوہر اُن کی بے تعصبّی ہے۔ نظیر جس معاشرے میں زندہ تھا اس کے ارد گرد تمام لوگ قدامت پسند، تنگ نظر اور مذہب و مسلک کے حوالے سے تعصّب کا شکار تھے۔ تاہم نظیر نے ان تمام زنجیروں کو توڑا۔ کیوں کہ اُن کا مذہب انسانیت تھا اس لیے ہندو مسلم اتحاد اور مذہب و مسلک کے اختلافاتی مسائل کو ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا:

؎ بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غُل ہوا، اور شور قہ قہ کا (۲۵)

ہندوؤں کے تہوار ہولی کا ذکر ہے کہ جب دوستوں نے نظیر کو رنگوں سے بھگو دیا تو ہر طرف تالیوں اور قہقہوں کا شور تھا۔ مصرع ثانی میں "کیا کیا" تالیوں کا غُل ہوا سے اقرار کیا ہے کہ تالیوں کا غُل ہوا۔ بظاہر ااستفسار میں اقرار موجود ہے۔ نظیر کی اس اعلیٰ ظرفی اور انفرادیت کو مخمور اکبر آبادی محمود رضوی یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

"بہر حال نظیر کے کلام سے ہر رواج کا سراغ بخوبی لگ سکتا ہے اور اگر کوئی شخص چھان بین پر آمادہ ہو تو تمام رسوم و رواج کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھ سکتا ہے۔ معاشرت کے مورخ کے لیے ان کا کلام نہایت بار آور مرکز تلاش و جستجو ہے۔"(۲۶)

نظیر صرف سوال نہیں کرتا جواب بھی دیتا ہے صرف مسئلہ بیان کرنا اس کا رنگ نہیں بل کہ کسی مفکر کا کردار ادا کرتے ہوئے حل بھی بتاتا ہے۔ علاوہ ازیں نظیر آٹھ زبانوں سے واقف تھے اسی وجہ سے اُن کے کلام میں ان تمام زبانوں کے الفاظ و محاورات بھی بکثرت ملتے ہیں۔ صدمات عشق کا بیان اُردو غزل کا ایک خوب صورت باب ہے نظیر نے بھی اس باب میں اپنے حصے کی سطریں شامل کی ہیں۔ تاہم محاورات کے استعمال نے اس استفہامیہ انداز میں مزید دل چسپی پیدا کر دی ہے:

؎ نظیر یار سے کیوں دردِ دل نہیں کہتا؟
سنا نہیں ہے وہ تو نے، کہ "سانچ کو کیا آنچ؟" (۲۷)

مصرع اولیٰ میں استفہامیہ انداز کے لیے کیوں، استعمال کیا ہے یعنی کس لیے تم یار سے دردِ دل بیان نہیں کرتے۔ خوف کس بات کا ہے۔ مصرع ثانی میں تعجب آمیز لہجہ اپناتے ہوئے بیان کیا کہ سچ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اس لیے دردِ دل بیان کرو۔ محاورے کے استعمال نے شعر میں جان پیدا کر دی ہے۔

نظیر نے محبوب کے حسن کے بیان میں بھی خوب فیاضی دکھائی ہے۔ اس حسن کو انھوں نے جزئیات میں پیش کیا ہے۔ محبوب کی دل فریب اداؤں، حسن پر غرور، نظیر تو کیا خود ملک بھی فدا ہوتے ہیں۔ تاہم اس موضوع کے بیان میں جہاں فحش اور غیر سنجیدہ باتیں ہیں۔ ان کا وجود محض معاشرت نگاری کی بنا پر ہے ان کو نظر انداز کرنا بھی درست نہ تھا۔ کلام میں پھکڑ پن کا گماں کہیں دکھائی نہیں دیتا:

؎ ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان
کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند (۲۸)

مصرع ثانی میں "کس" سے استفہام کی صورت پیدا کی گئی ہے بظاہر استخبار ہے تاہم خود اقرار کیا ہے کہ ازار بند زانو کے درمیان جھکولے کھاتا ہے۔

کلام نظیر کا ایک خوب صورت پہلو مکالماتی انداز بھی ہے۔ معاملہ بندی کے حوالے سے استفہام کو خوب صورت مکالماتی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

؎ کہا کہ "روٹھے ہو کیوں، ہم سے کیا سبب اسکا؟"
کہا "سبب ہے یہی، تم جو دل چھپاتے ہو" (۲۹)

مصرع اولیٰ میں "کیوں" طلب سبب کے واسطے آیا ہے کہ روٹھنے کی وجہ کیا ہے؟ مصرع ثانی میں اقرار اور سبب بتایا گیا ہے کہ تمہارا دل چھپانا روٹھنے کی وجہ ہے۔ سبب بتا کے اثبات کی صورت پیدا کی گئی ہے۔ مندرجہ بالا اشعار سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نظیر کی غزل میں استفہام اقراری کا بھی ایک بڑا حصہ

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

موجود ہے جو رنگارنگ موضوعات اور منفرد فکری وفنی محاسن سے بھرپور ہے۔ جس سے قاری کے ذوق تجسّس کو بھی جلا ملتی ہے۔

(۳) استفہام انکاری

نظیرؔ مشاغل حیات اور ضروریات کو یکساں اہمیت دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزل تمام تر ممکنات سے بھرپور ہے۔ نظیر کے ہاں نفس کا جہاد اور عبرت کے مضامین کے ساتھ ساتھ تکلّف اور تصنع سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صداقت سے زندگی کا بیان موجود ہے۔ اس عظیم شاعر نے زندگی کی بدہیئتی کو بھی حسن کی نگاہ سے دیکھا۔

نظیر نے محبوب کو صنم کہہ کے اس کے اندر وہی اوصاف بھی پیدا کیے۔ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کے اس صنم کے لیے اپنا مذہب تک چھوڑنے کو تیار ہے لیکن جس محبوب کے پیچھے شاعر دین و دنیا چھوڑنے پر تیار ہے پھر وہ چلا جائے تو شاعر کی دنیا اور زندگی سے جڑی خوشیاں بھی ساتھ لے جاتا ہے اور شاعر خود بھی ان خوشیوں سے انکاری ہے:

؎ شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا رہا
جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا (۳۰)

مصرع اولیٰ میں اثبات ہے تاہم مصرع ثانی میں "کیا" کے استعمال سے انکار موجود ہے یعنی جب شہر آرا (محبوب) چلا گیا تو شہر دل میں بھی کچھ نہ رہا۔ مصرع ثانی میں استفہام انکاری کی صورت پیدا کی گئی ہے۔ محبوب کے دل سے جانے کے باوجود نظیر خود کو سنبھالتے ہیں اور حزن و یاس کو گلے نہیں لگاتے۔ اس کی وجہ ان کا متصوفانہ مزاج اور حکیمانہ نظر ہے۔ مفلس ہونے کے باوجود قانع اور فطرتاً رجائی تھے۔ درویشی، استغنا اور فقیری کو زندگی کا حصہ بنایا:

؎ سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہمارا ہو غم میاں
بابا کسے خدا کے سوا غم فقیر کا (۳۱)

مصرع ثانی میں "کسے" ذوی العقول کے لیے استعمال ہوا ہے۔ استفہامیہ انداز پیدا کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خدا کے سوا کسی کو فقیر کا خیال نہیں مصرع ثانی میں واضح انکار موجود ہے۔ مصرع اوّل میں بھی استفہام انکاری کا لہجہ موجود ہے یعنی میاں تمہیں ہمارا غم نہیں ہے۔

زندگی کے آلام سے گھبرانا ان کی ذات کے منافی ہے۔ وہ خوش مزاجی کی ذاتی صفت کو شاعری میں جگہ دیتے ہیں انھیں خدا پر پورا بھروسہ ہے۔ اسی لیے افسردگی جھلاہٹ یا خفگی کو پاس نہیں بھٹکنے دیتے۔ غزل کا خوب صورت پہلو وہ ہے جہاں محبوب پل پل میں اپنا مزاج بدلتا ہے۔ پھر بھی عاشق نبھاہ کرتا ہے لیکن کج رو محبوب کو سمجھنے سے انکاری ہے اور اپنا معاملہ خدا کے حوالے کرتا ہے:

؎ گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز ۳۲؎

عاشق محبوب کے بدلتے رویے کی وجہ سے اسے سمجھنے سے انکاری ہے مصرع ثانی میں "کیا" سے استفہام پیدا کیا گیا ہے یعنی میں نہیں جانتا خدا جانتا ہے کہ محبوب کیا چیز ہے؟ اس کے باوجود یہ محبوب عاشق کو جنت اور اس کی لذتوں سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔ اس لیے وہ محبوب کی گالیوں کو ان لذتوں پر قربان کرنے سے انکاری ہیں۔ نظیرؔ دنیا و مافیہا کو فانی کہتا ہے اور نصیحت کرتا ہے کہ دنیاوی زندگی کو غنیمت جانو اور "ایک ایک لمحے کی قدر کرو وہ جانتے ہیں کہ موت کے بعد یہ سب ناممکن ہے اس لیے جنت کو بھی قربان کرتے ہیں۔

؎ لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں (۳۳)

مصرع ثانی میں "کہاں" سے استفہام انکاری کی صورت پیدا کی گئی ہے کہ مرنے کے بعد جنت کے میوے تو ملیں گے پر جنت میں محبوب کی میٹھی گالیاں نہیں ملیں گی۔ نظیرؔ کا استفہام انکاری کا انداز زیادہ پر اثر اور دل چسپ ہے اگر استفہام کی تینوں اقسام کا موازنہ کیا جائے تو نظیر سمیت باقی شعرا کا استفہام انکاری پر مبنی کلام معنویت اور تجسّس سے بھرپور ہے۔ اسی وجہ سے اس کے امکانات بھی زیادہ ہیں۔ اس حوالے سے شمس الرّحمٰن فاروقی کہتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"استفہامی بیانات پر غور کریں تو ان میں کئی طرح کے امکانات نظر آتے ہیں سب سے زیادہ امکان استفہام انکاری میں ہیں۔" (۳۴)

دل والوں کے حوالے دل کرنا دراصل وصل کا ایک بہانہ ہے لیکن صد افسوس کہ اس پری وش اور عاشق کے درمیان اتنے فاصلے ہیں کہ یہ ناممکن ہے اور پھر ناصح کی نصیحت بھی آڑے آتی ہے اسی لیے نظیر خود سوال کر کے انکار کرتا ہے اس عمل کی نفی و تردید کرنا اس کے حوصلے کی داد دینے پر اکساتا ہے۔

؎ کہاں تو اور کہاں اس پری کا وصل نظیرؔ
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دوانے پن کی سی (۳۵)

مصرع اولیٰ میں "کہاں" سے استفہام انکاری کی صورت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ اے نظیر تو کہاں اور وہ پری وش محبوب کہاں؟ اس لیے وصال ممکن نہیں دیوانوں جیسی باتیں نہ کرو جن کا کوئی انجام نہیں۔ مجبوراً عاشق انتظار کی سختی جھیلتا ہے اور ہجر کی گہری سانس لیتا ہے۔

نظیر کی غزل کو استفہام استخباری، استفہام اقراری اور استفہام انکاری کے ترازو میں تولنے کے بعد کلام کا پلڑا مزید بھاری ہو گیا ہے۔ نظیرؔ نے کھوج تجسّس، شک اور سوالات پر بے شمار اشعار حوالہ قلم کیے۔ بلاشبہ اس ذخّار سمندر میں استفہام پر کام کی گنجائش موجود ہے۔ جس طرح میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے استفہامیہ لہجے کو سراہا گیا۔ اسی طرح وقت کی ضرورت ہے کہ نظیر اکبر آبادی جیسے اعلیٰ پائے کے شاعر کا حق بھی استفہام کے موضوع پر ادا کیا جائے اور اُردو غزل میں اُن کے مرتبہ کو بڑھایا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ وحید الزّماں، کیرانوی، شیخ الادب، مولانا، "المُنجِد عربی اُردو لغت)،" دیوبند، مکتبہ مصطفائیہ، ۱۹۷۴ء، ص ۷۶۵

۲۔ عبد المجید خواجہ، (مؤلف و مرتّب)، "جامع اللّغات"، (جلد اوّل)، لاہور، اُردو سائنس بورڈ، مکتبہ جدید پریس، طبع سوم ۲۰۱۰، ص ۱۶۸

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، "قومی انگریزی اُردو لغت" Qami English Urdu Dictionary، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۲۷

4- A.S Hornby, "Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English", Oxford University Press, Seventh Edition 2005, Pg 814

۵۔ احسن، محمد، مولوی، "رسالہ قواعد اُردو (حصّہ چہارم)"، لکھنو، مطبع منشی نول کشور، ۱۸۶۴ء، ص ۶۰

۶۔ نظیرؔ اکبر آبادی، میاں، "کلّیاتِ نظیرؔ (مرتّب و مدوّن)، عبد الباری آسی، مولانا صاحب، لاہور، مکتبہ شعر و ادب سمن آباد، بارھواں ایڈیشن (س۔ن)، ص ۱۱۷

۷۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۴

۹۔ ایضاً، ص ۷۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۴۔ احسن، محمد مولوی، "رسالہ قواعد اُردو (حصہ چہارم)"، ص ۶۰

۱۵۔ مخمور اکبر آبادی، محمود رضوی، سید (مؤلف)، "روح نظیر"، (دیباچہ: اوّل)، آگرہ، گیا پرشاد اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۴۶ء، ص ۷

۱۶۔ نظیرؔ اکبر آبادی، میاں "کلّیات نظیرؔ"، ص ۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۲۱۔ ایضاً، ص۱۰۶
۲۲۔ مخمور اکبر آبادی محمود رضوی، سیّد (مؤلف)، ''روح نظیر'' (مقدمہ:۳)، آگرہ، گیا پرشاد اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۴۶ء، ص۱۰
۲۳۔ نظیرؔ اکبری آبادی، میاں ''کلیات نظیرؔ''، ص۱۴۷
۲۴۔ ایضاً، ص۳
۲۵۔ ایضاً، ص۵
۲۶۔ مخمور اکبر آبادی محمود رضوی، سیّد، (مؤلف)، ''روح نظیر (مقدمہ:۳)''، ص۱۷
۲۷۔ نظیرؔ اکبر آبادی، میاں ''کلّیات نظیرؔ''، ص۴۷
۲۸۔ ایضاً، ص۸۷
۲۹۔ ایضاً، ص۱۳۰
۳۰۔ ایضاً، ص۳۸
۳۱۔ ایضاً، ص۳۹
۳۲۔ ایضاً، ص۹۰
۳۳۔ ایضاً، ص۱۱۹
۳۴۔ شمس الرّحمٰن، فاروقی، ''انداز گفتگو کیا ہے''، مشمولہ ''رسالہ اُردو'' سہ ماہی، جلد ۶۳، شمارہ:۱، جنوری تا مارچ، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص۴۶
۳۵۔ نظیرؔ اکبر آبادی، میاں ''کلّیات نظیرؔ''، ص۱۴۴